اردو زبان کی خصوصیات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

اہل حق اور جدید طرز کی تقریروں میں فرق:......اہل حق اور جدید طرز کے لوگوں کی تقریر میں جو فرق میں نے دیکھا، وہ یہ ہے کہ جدید طرز کی تقریریں پہلی نظر میں نہایت وقیع اور موثر ہوتی ہیں اور حق انہیں میں منحصر معلوم ہوتا ہے، لیکن جب ان میں غور کیا جائے تو ان کی حقیقت کھلتی جاتی ہے اور ان کا لچر، کمزور اور خلاف واقع ہونا پُر تلمیع ہونا معلوم ہوتا جاتا ہے اور اہل حق کی تقریریں نظر اول میں بے رنگ اور پھیکی معلوم ہوتی ہیں، لیکن جتنا ان میں غور کیا جائے تو ان کی قوت اور مطابق واقع ہونا معلوم ہوجاتا ہے اور قلب پر نہایت گہرا اثر ان کا ہوتا ہے کہ اس کے سامنے تمام تعلیمات قلب سے دُھل جاتی ہیں۔

یہاں سے اس اعتراض کا جواب بھی نکل آیا جو آج کل کے علماء پر منجملہ دوسرے اعتراضات کے وہ بھی کیا جاتا ہے کہ ان کو لیکچر دینا نہیں آتا، وہ جواب یہ ہے کہ جب ہمارے پاس قرآن شریف اور حدیث شریف ہے اور اس کی تعلیمات کا سرمایہ موجود ہے تو ہم کو کسی ظاہری آب وتاب کی کیا ضرورت ہے، خوب کہا ہے:

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست　　بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

سادگی:......لیکن لیکچروں کا طرز سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور ہم تو صاف کہتے ہیں کہ جو شخص لیکچر کے طرز کو اختیار کرتا ہے، وہ اول ہمارے دل میں ناپسندیدگی کا بیج بوتا ہے، ہم کو تو وہی طرز پسند ہے، جس کی طرف حدیث شریف میں اشارہ ہے: ''نحن أمة أمية'' أمية کے معنی سادگی کے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل مرضی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نہایت سادہ رہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''نحن'' لفظ فرما کر ساری امت کو شامل فرمالیا، یہی روح ہے اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ ہر بات میں بالکل سادگی ہو۔ ''امية'' ''ام'' کی طرف منسوب ہے، مطلب یہ ہے کہ ہماری زندگی ایسی رہے، جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے بعد والی بچہ کی زندگی ہوتی ہے کہ اس کی کوئی حرکت بھی تصنع اور بناوٹ کی نہیں ہوتی، بلکہ ہر حرکت میں بے ساختگی ہوتی ہے اور بچوں کی یہی صفت ہے جس کی وجہ سے ہر

شخص کو ان سے محبت ہوتی ہے، ورنہ طبعًا بچوں سے جو کہ نجاست کے پوٹ ہوتے ہیں، بہت نفرت ہونی چاہئے تھی اور یہی بے ساختگی ہے کہ جن بوڑھوں میں یہ پائی جاتی ہے، آج ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے حسین ان پر جان فدا کرتے ہیں، تو اصلی مفہوم ''امیتہ'' کا یہی بے ساختگی ہے اور نہ لکھنا پڑھنا جو ''امیت'' کا مشہور مفہوم ہے، یہ بھی اس کا ایک شعبہ ہے۔

سادگی کے ساتھ صفائی:......تو بیان میں بھی بناوٹ اور تکلف بالکل نہ ہونا چاہئے اور تلبیس اور تلمیع سے بالکل پاک ہونا چاہئے، البتہ بیان میں سادگی کے ساتھ صفائی ہونی ضروری ہے، لیکن اب یہ طرز بالکل چھوٹتا جاتا ہے، ہم اہل علم کو دیکھتے ہیں کہ ان میں ایک تو رواجِ زبان کا طرز آجاتا ہے، حالانکہ قطع نظر شریعت کے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہماری مادری زبان اردو ہے اور اس میں کچھ خصوصیات ہیں، جیسا کہ ہر زبان کے لئے کچھ خصوصیات ہوا کرتی ہیں، اب اس طرزِ جدید کو اختیار کر کے انگریزی کی خصوصیات کو زبانِ اردو میں لے لیا گیا ہے اور وہ روز بروز زیادتی کے ساتھ آتی جاتی ہیں، حالانکہ انگریزی کی خصوصیات اس میں بالکل نہیں کھپتیں۔

اردو زبان کی خصوصیات:......ان کی بدولت زبان بالکل بھدی اور خراب ہوتی جاتی ہے، ایسے لوگوں میں اس وقت ایک بڑی جماعت اپنے کو اردو کا حامی کہتی ہے، حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ لوگ اردو کے حامی نہیں، کیونکہ ہر زبان میں ایک مادہ ہوتا ہے اور ہیئت، اردو زبان ان دونوں کے مجموعے کا نام ہے، نہ کہ صرف مادہ کا، تو جب زبانِ اردو کی ہیئت باقی نہ رہے گی تو وہ زبان اردو کیونکر رہے گی؟ پس اگر ہم اردو کے حامی ہیں تو ہم کو چاہئے کہ ہم اس کی خصوصیات کو باقی رکھیں اور ہماری گفتگو ایسی ہو کہ اگر کوئی اجنبی سنے تو یہ سمجھے کہ ہم ایک حرف بھی انگریزی کا نہیں جانتے اور نہ انگریزی طرز سے ہم کو مناسبت ہے اور اس سے بھی بڑا تعجب یہ ہے کہ اس وقت عربی طلبہ کی تقریر میں کثرت سے انگریزی الفاظ آنے لگے ہیں، حالانکہ ان کی تقریر میں اگر دوسری زبان کے الفاظ آتے تو عربی کے الفاظ آتے، کیونکہ اول تو یہ لوگ عربی زبان کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، دوسرے عربی ہماری مذہبی زبان ہے اور اس اعتبار سے ان کی اصلی زبان وہی ہے اور اردو زبان تو بہت تھوڑے دنوں سے ہماری زبان ہوئی ہے، ورنہ ہماری اصلی زبان اور پدری زبان عربی ہی ہے، کیونکہ ہمارے آباؤ اجداد عرب ہی سے آئے ہیں اور ہندوستان میں بود و باش اختیار کر لی ہے۔

اصل اردو:......غرض جب ہماری اصلی زبان عربی ہے تو اگر ہم کو اردو میں آمیزش ہی کرنا تھی تو اس بناء پر زیادہ سے زیادہ ہم یہ کرتے کہ اردو زبان کو عربی کے تابع کر دیتے، مگر تعجب یہ ہے کہ ہم نے انگریزی کے تابع کیا کہ جس کی بدولت اردو زبان قریب قریب اردو ہونے ہی سے نکل گئی، اصل زبان اردو وہ ہے، جیسے چہار درویش یا اردوئے معلیٰ غالب کی، اگر اس میں آمیزش ہو تو عربی کی آمیزش ہونی چاہئے کہ عربی کی آمیزش لطف کو دوبالا کر دیتی ہے، دیکھو فارسی کی عبارت میں اگر کہیں ایک جملہ عربی کا آجاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے گل فشانی ہو گئی ہو۔

اردو میں انگریزی کا اختلاط اور اس کی خرابی:......خلاصہ یہ ہے کہ ہماری زبان میں جو انگریزی کے خلط سے ایک جدت پیدا ہوگئی ہے، وہ ضرور قابلِ ترک ہے اور اس جدید طرز میں علاوہ نقصِ مذکور کے ایک بڑا عیب یہ بھی ہے کہ تلبیس زیادہ ہوسکتی ہے اور پرانی طرز میں یہ بات نہیں ہے اور ایک شرعی پہلو اس میں یہ بھی ہے کہ اس کو اختیار کرنا ایک فاسق قوم کے ساتھ مشابہت ہے اور یہ مشابہت خود حرام ہے، حدیث میں ہے: ''من تشبہ بقوم فھو منھم'' کیونکہ تشبیہ عام ہے، لباس اور طرز سب چیزوں کو اور گو ممکن ہے کہ اس پر کوئی شخص مولویوں کو متعصب کہے، لیکن ہم کو اس کی اصلاً پروا نہیں کیونکہ ہم ایک موقع پر ان کے مسلم دلائل سے اس کا بُرا ہونا ثابت کر چکے ہیں، باقی حدیث تو اپنے ماننے والوں کے لئے پڑھی ہے، اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ حدیث آپ پر بھی حجت ہے، کیونکہ مسلمان تو آپ بھی ہیں۔

غرض اس وقت تقریرات میں یہ تمام خرابیاں پیدا کی گئی ہیں، جن سے بسبب قواعد شرعیہ کے چھوڑ دینے کے ان تقریروں کا وجود کالعدم سمجھا جائے گا، پس ثابت ہوگیا کہ جس طرح بیان کا وجود حسی موقوف ہے خلق انسان پر، اسی طرح اس کا وجودِ شرعی موقوف ہے تعلیم قرآن پر اور یہی حاصل ہے ان آیات کا اور چونکہ تقاریر میں آج کل یہ نقص عام طور سے پیدا ہوگیا ہے، اس لئے یہ جی بھی چاہتا تھا کہ طریقہ بیان کے متعلق ایسی آیت اختیار کی جائے کہ قرآن شریف ہی سے اس کی خرابیوں کا ناجائز ہونا بھی ثابت ہوجائے، سو بحمد اللہ یہ آیت ﴿الرحمٰن O عَلّم القران O خلق الانسان O علمہ البیان O﴾ کہ اس میں تعلیم بیان کی شرطِ شرعی بھی مذکور ہے کہ قرآن شریف کو سکھلایا، کیونکہ غایت اس کی عمل ہے اور بیان میں اگر حدودِ شرعی کا لحاظ نہ رہا تو قرآن پر عمل نہ ہوا کیونکہ عمل بالقرآن کے فوت ہونے کے معنی بھی شریعت کا فوت ہونا ہے۔

☆......☆......☆

آج کا مسلمان

حضرت مفتی شفیعؒ کے زمانے کا واقعہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک صاحب آتے تھے، بظاہر تو وہ بزرگ نظر آتے تھے اور تسبیح ان کے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی۔ تسبیحات اور وظائف پوچھنے کے لیے آتے تھے۔ دیکھنے والا یہی سمجھے گا کہ یہ آدمی اچھا ہے دین دار ہے۔ بزرگی صحبت میں جو بیٹھے گا اس کے متعلق یہی خیال کریں گے کہ یہ آدمی دین دار ہے، مذہبی ہے، کیوں کہ بزرگوں کی صحبت میں جاتا ہے۔ تسبیحات بہت کرتا ہے اور یہ پوچھتا ہے کہ فلاں کام کے لیے کون سی سورۃ پڑھی جاتی ہے، فلاں مقصد کے لیے کون سی دعا پڑھی جائے، کاروبار میں برکت کے لیے کیا وظیفہ ہے۔ ہمیشہ عرصے دراز سے یہی صورت رہی وہ آتے تھے، ظاہری شکل وصورت دین داروں کی ہے لیکن کبھی کھل کر اظہار نہیں کیا تھا کہ میرا کاروبار کیا ہے۔ آخر کار یہ بات سامنے آئی کہ وہ صاحب سٹے کا کاروبار کرتے تھے اور یہاں جو آتے ہیں صرف اور صرف دعا کرانے کہ میرا نمبر لگ جائے، یہ وظیفہ پڑھوں کہ میرا نمبر کھل جائے، لاٹری نکل آئے اور یہ مل جائے وہ مل جائے، ایک عرصہ دراز تک وہ اس طرح دعائیں کراتا رہا۔